.R.N. No. 2188/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلیفون ۔ ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۴	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۲۲ جنوری ۱۹۶۵ء

اداریہ

یوم جمہوریت

۲۶ جنوری کی نئے ہندوستان میں ایک خاص عظمت اور منزلت کا دن ہے۔ اسی دن ہم نے اپنے لیے ایک جمہوری نظام طے کیا، ایک جامع دستور بنایا اور ملک کے لیے ایک طریقۂ زندگی طے کیا۔ یہ خوشی کا دن ہے۔ کیوں کہ ہمارا یہ جمہوری نظام روز بروز زیادہ مستحکم ہو رہا ہے اور ملک ترقی اور خوش حالی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ یہ نئے سرے عہد و پیمان کا دن ہے کیوں کہ ابھی تو ہمارے سفر کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں بہت سی منزلیں طے کرنا ہیں۔ یہ اپنی کامیابیوں اور اپنی کوتاہیوں، دونوں کے جائزے کا دن ہے تاکہ ہم اپنی کامیابیوں پر خدا کا شکر ادا کر سکیں اور اپنی کوتاہیوں پر متنبہ ہو سکیں اور انھیں دور کر سکیں۔ یہ دن ایمانداری سے اپنا اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کا ہے۔ ہم نے اس عرصے میں جمہوری روایات کو کتنا آگے بڑھایا، جمہوری مزاج کو کس قدر اپنایا۔ اپنے فرائض کا کتنا خیال رکھا، ملک کے مفاد کو کس قدر عزیز جانا۔ ہمارے گرد و پیش قومیت، جمہوریت، سیکولرازم، سماجی انصاف، ملکی خوش حالی کا احساس کتنا ہے۔ اسے کس طرح بڑھایا جا سکتا ہے۔ اگر ہماری عادت صرف اپنے حقوق کی بات کرنے کی ہے اور اپنے فرائض کو بھول جانے کی ہے تو ہمیں اپنا ایمانداری سے جائزہ لینا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرائض کو نظر انداز کرنے والے حقوق سے بھی رفتہ رفتہ محروم ہو جاتے ہیں۔ ہمیں قومی وحدت کو ہر حال میں ترقی دینا ہے ہمیں ملک کی حفاظت، ہر حال میں کرنا ہے ہمیں ملک کی ترقی کے لیے منصوبہ بندی میں مدد بہر حال دینا ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کو کچھ نفع پہنچ بھی جائے مگر ملک نقصان میں رہے تو یہ بُرا سودا ہے ہاں اگر ملک کو نفع پہنچتا ہے تو بالآخر ہم سب کے لیے اور ہماری آیندہ نسلوں کے لیے فلاح کا سامان ہو جاتا ہے۔ آج جواہر لال نہرو ہمارا معمارِ اعظم ہمارے درمیان نہیں مگر اس کا راستہ تو ہے جس پر ہمیں چلنا ہے۔

آنند نرائن مُلّا کو اکاڈمی انعام

امسال کا ساہتیہ اکاڈمی انعام اردو کے مشہور شاعر آنند نرائن مُلّا کو ان کے مجموعۂ کلام "میری حدیثِ عمر گریزاں" پر ملا ہے۔ مُلّا صاحب اس نئے لکھنؤ کے ترجمان ہیں جو ایک طرف پرانے لکھنؤ کی تہذیب سے اپنا رشتہ استوار رکھتا ہے اور دوسری طرف نئے ہندوستان اور انسانیت کی آفاقی قدروں کا بھی علمبردار ہے۔ مُلّا کے یہاں فکر کی تازگی اور فن کی پختگی ہے۔ وہ کسی خاص ازم کے قائل نہیں۔ ہاں ہندوستانی تہذیب اور تاریخ کے جلوۂ صد رنگ کے امین اور جدید دور کے اہم تقاضوں سے آشنا ہیں۔ ان کے یہاں کسی کی نقالی نہیں وہ ایک باشعور شاعر ہیں اور زندگی کی معنی خیز تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہماری مشترک تہذیب کے عاشق ہی نہیں عارف بھی ہیں۔ انھوں نے ایک جج کی حیثیت سے بھی ملک کی بڑی خدمت کی ہے اور ایک شاعر اور دانشور کی حیثیت سے آج ان کا نام بہت بلند ہے۔ ہم اس انعام پر مُلّا صاحب اور ساہتیہ اکاڈمی دونوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔

اس شمارے میں

سیر بین

کچھ دن ہوئے مجروح سلطان پوری نے ایک خط میں یہ مشورہ دیا کہ اردو کے لیے دیوناگری رسم خط اختیار کر لینا چاہیے۔ اس سے قطع نظر کہ مجروح صاحب کا یہ مشورہ صحیح ہے یا غلط، کچھ لوگوں نے اب ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ یہ اردو کے دشمن ہیں۔ یہ روش اچھی نہیں۔ رسم خط کے مسئلے پر اختلاف رائے کی کافی گنجایش ہے۔ ہم خود بارہا ہماری زبان کے کالموں میں اس پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ ہماری ذاتی رائے ہے کہ اردو رسم خط کو ترک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ اس میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ خوبیوں کو باقی رکھنا چاہیے۔ خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کے معنی اصلاح کے ہیں ترک کے نہیں۔ لیکن اردو کی مقبولیت کو بڑھانے اور پھیلانے کے لیے اگر اردو کی کتابیں دیوناگری یا رومن رسم خط میں بھی شایع ہوں تو یہ اچھی بات ہے۔ اس طرح اردو ادب سے وہ طبقہ بھی واقفیت حاصل کر سکتا ہے جو اردو رسم خط سے ناواقفیت کی وجہ سے اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد کچھ لوگ اگر نیک نیتی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اردو رسم خط کے بجائے دیوناگری یا رومن رسم خط ہمارے لیے بہتر ہے تو اس پر علمی انداز سے بحث ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے پر فقرے کسنا کسی طرح مناسب نہیں۔

بمبئی کے بعض مشاعروں کی رپورٹ پڑھ کر ہمارا یہ نظریہ مستحکم ہو گیا کہ نشے میں نشہ ملانا کس قدر خطرناک ہے۔ مشاعروں میں ترنم کی مقبولیت کو دیکھ کر ہم نے مشاعروں کی اصلاح کے لیے کچھ مشورے دیے تھے جن کا خاصا خیر مقدم ہوا۔ مگر اب تو نوبت یہ آ گئی ہے کہ ترنم سے بھی کام نہیں چلتا، بلکہ مشاعرے کو کامیاب بنانے کے لیے فلم کے ستاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دلیپ کمار ہمارے ایک ممتاز فن کار ہیں لیکن مشاعرے میں ان کا کسی مشہور شاعر کی غزل سنانا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ مشاعرے میں اس شاعر کو بلایا جاتا ہے جو خود اچھے شعر کہتا ہو۔ باقی باتیں غیر متعلق ہیں۔ ہاں شام غزل کے نام سے علیحدہ ایسے پروگرام رکھے جا سکتے ہیں جن میں مشہور موسیقار اچھی اور نمایندہ غزلیں گا کر سنائیں۔ مگر ان میں شاعروں کی شرکت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مشاعرے کو مشاعرہ رہنے دیجیے۔ اسے راگ رنگ کی محفل نہ بنائیے۔ شعر کی اپنی موسیقی کافی ہے۔ موسیقی کے جلسے علیحدہ ہونے چاہئیں۔

ادبی خبریں

ساہتیہ اکاڈمی کے انعامات

امسال ساہتیہ اکاڈمی کے اگزیکیٹو بورڈ نے حسب ذیل کتابوں پر اکاڈمی انعام دیا ہے:-

۱۔ آسامی	آسام کی لوک سنسکرتی کا مطالعہ	ڈاکٹر بی۔ کے۔ بروا مرحوم
۲۔ بنگالی	مجموعۂ کلام	سبھاش مکھوپادھیائے
۳۔ گجراتی	مجموعۂ مضامین	ڈی۔ آر۔ منکڈ
۴۔ ہندی	مجموعۂ کلام	ایس۔ ایچ۔ واتسیاین
۵۔ کنڑ	ناول	بی۔ پٹاسوامیا
۶۔ ملیالم	ناول	پی کیشو دیو
۷۔ مراٹھی	ناول	رنجیت دیسائی
۸۔ اُڑیہ	خود نوشت سوانح عمری	پنڈت نیل کنٹھ داس
۹۔ پنجابی	مجموعۂ کلام	پربھجوت کور
۱۰۔ سنسکرت	تحقیق (ہندی میں)	گوپی ناتھ کوبراج
۱۱۔ سندھی	سچی کہانیاں	آر۔ پی۔ پنچ وانی
۱۲۔ تلگو	مجموعۂ کلام	جی۔ جوشوا
۱۳۔ اردو	مجموعۂ کلام (میری حدیث عمر گریزاں)	آنند نرائن ملا

راشٹرپتی ڈاکٹر رادھا کرشنن جو ساہتیہ اکاڈمی کے صدر بھی ہیں، ۱۵ فروری کو راشٹرپتی بھون میں یہ انعامات تقسیم کریں گے۔

جونیر بیسک اسکولوں کے لیے کتابیں طلب

لکھنؤ، ۱۲ دسمبر۔ ریاستی حکومت کے محکمۂ تعلیم نے جونیر بیسک اسکولوں کے بچوں کے لیے ناشرین سے ہندی اور اردو میں کتابیں طلب کی ہیں۔ لوکل باڈیز ایسی کتابوں کو جو بچوں کے لیے مناسب سمجھی جائیں گی مالیاتی سال رواں کے دوران خریدے گی۔

اس سلسلے میں اپنی کتابیں بھیجنے کے خواہشمند ناشرین ہر کتاب کے آٹھ مطبوعہ نسخے مفت پاٹھ پستک ادھیکاری یو۔ پی ۴ مال ایونیو لکھنؤ کو ۳۰ جنوری ۱۹۶۵ء تک بھیج دیں۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

مرکز ادب آسنسول کی خصوصی نشست

۳ جنوری ۱۹۶۵ء کی شام کو مرکز ادب آسنسول کی ایک خصوصی نشست جناب اسلم ورکھنگری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس نشست میں یوم غالب کے سلسلے میں چند مقالات پیش کیے گئے اور غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس کے بعد مرکز ادب آسنسول کے ممبران کی شعری و نثری تخلیقات کا مجموعہ کتابی شکل میں شایع کرانے کی تجویز متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔ نشست رات کے تقریباً ۱۰ بجے ختم ہوئی۔
(مجیب الرحمٰن کوثر سکریٹری)

سید فضل المتین

اختر شیرانی کا "رومان"

اختر شیرانی، شاعرِ رومان کی حیثیت سے خاصے مشہور رہے ہیں، اور انھوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے لیے ملک و قوم سے برابر خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ان کے نثری کارنامے بھی کچھ کم قابلِ قدر نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی شخصیت کے شاعرانہ پہلو نے ان کی زندگی کے اس رخ کو اہمیت نہ حاصل کرنے دی۔ ورنہ یہ بات واضح ہوجاتی کہ محمود شیرانی کا فرزند ارجمند اپنے باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔

پچھلے دنوں یونس حسنی صاحب، جو ان دنوں اختر شیرانی پر ریسرچ کر رہے ہیں اختر شیرانی کے رسائل اور مطبوعات کی تلاش کے سلسلے میں اجمیر بھی تشریف لائے تھے۔ ان کی آمد پر مجھے اپنے "سیفی کتب خانہ" کے حصۂ رسائل پر نظر ڈالنے کا موقع ملا۔ تلاش و جستجو میں اختر شیرانی کے مشہور رسالہ "رومان" کے دو شمارے میرے یہاں نکل آئے۔ جن کا تعارف درج ذیل ہے۔

رومان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء

اس کا ٹائیٹل کور نہایت چکنا اور دبیز ہے۔ ٹائیٹل کور کے ایک تہائی اوپری حصہ پر یہ عبارت درج ہے۔

THE ROOMAN', LAHORE

REGD. No L. 3549

رومان

OCTOBER 1936

اختر شیرانی

اس عبارت کے نیچے The champions choice کے عنوان سے Dunlop Sports Goods کا ایک اشتہار انگریزی میں درج ہے۔ اور آخر میں حاشیہ پر yearly — Rs. 5 — Price As- اور "صرف سرورق دین پریس لاہور میں طبع ہوا" کی عبارت درج ہے۔

سرورق کے اندرونی صفحہ پر "سونا سنو" اور "سونا گولڈ کریم" کا اشتہار ہے صفحہ ۱ اور ۲ پر فہرست ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صفحہ فہرست کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

رسالہ "رومان" لاہور

کچھ ایسے کیوں ہو اس قدر فردوس پر نازاں ہزاروں جنتیں آباد ہیں تخیلِ اختر میں

(آغا حشر کاشمیری)

اس کے بعد فہرست اس طرح ہے

جلد ۳ فہرست مضامین بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء نمبر ۵

اس کے بعد جلی حرفوں میں لکھا ہے "جملہ حقوق بحق رومان محفوظ ہیں"۔

آخر میں یہ تحریر ہے: "شیخ محمد نواب پرنٹر و پبلشر نے اکسپرٹ لیتھو پرنٹنگ پریس بیرون اکبری دروازہ لاہور سے چھپوا کر دفتر رسالہ رومان ۸ ایلجن روڈ لاہور سے شایع کیا۔"

صفحہ ۲ پر "دائرہ رومان" کی سرخی کے آگے یہ شعر لکھا ہے:

دیں خرابات مغاں مست و رندانند
شاید ز شیخ و شراب و شکر و نالہ و سرود

پہلا خط "ایس۔ ایم۔ اکرام صاحب ایم۔ اے آئی۔ سی ایس۔ مجسٹریٹ" کا ہے اس خط میں قابل ذکر یہ عبارت ہے۔

"غالب نامہ مکمل ہے چند شایع ہو جائے گی مسودہ جس کو نہیں ملی لیکن اردو دیوان کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۴۲) مل گیا۔ اس سے دیوان کی تاریخی ترتیب میں بڑی مدد ملی ہے۔ نواب سردار میر حفیظ الدین جو نواب میر غلام بابا خاں کے پوتے ہیں، پچھلے ہفتے پونے سے آئے ہیں۔ انھوں نے اپنے دادا کے کاغذات میں سے غالب کے چند غیر مطبوعہ خطوط اور ایک غیر مطبوعہ تصویر تلاش کرنے کا وعدہ کیا ہے بڑودہ میں بھی ایسی کوشش جاری ہے۔ خدا کرے یہ غیر مطبوعہ تصویر مل جائے اور غالب نامے کی زینت ہو۔ ان شاء اللہ آپ کتاب کو اپنے معیار کے مطابق پائیں گے۔"

نیاز مند اکرام (سورت)

اس خط کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے۔

"اکرام صاحب ایک مدت سے "غالب نامہ" کے نام سے ایک کتاب کی تالیف میں مصروف تھے ان کے مندرجہ بالا مکتوب سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ یہ کتاب عنقریب شائقین کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہے۔ اکرام صاحب کی ادبی صلاحیت، تنقیدی مذاق اور علمی جاں فشانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہنا شاید قبل از وقت نہ ہوگا کہ غالب نامہ، غالبیات کے ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوگا۔ اور مرزا غالب کے مداحوں کو ایک نئے "خوان ادب" سے دوچار کر دے گا۔ ہم ان کی اس قابل قدر تالیف کی کامیابی کے دل سے آرزو مند ہیں اور "رومان" کے خوش مذاق ناظرین کی بہترین توجہ اس کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔"

دوسرا خط "ڈاکٹر سید صدیق حسین نجمی۔ ایم۔ بی۔ بی ایس۔ پی۔ سی۔ ایم۔ ایس۔ کیموڑہ" اور تیسرا خط "سید شبیر حسین صاحب۔ بی۔ اے۔ تحصیلدار جھنگ" کا ہے۔ ان دونوں خطوط میں کوئی ایسی اہم بات نہیں، جو قابل ذکر ہو۔ چوتھا خط "شیخ امتیاز رسول بیرسٹر ایٹ لا۔ ملتان" کا ہے شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"کل شملہ سے واپسی پر راستے میں "رومان" کا ڈراما نمبر نظر سے گزرا اسے دیکھ کر گونہ مسرت اس لیے ہوئی کہ اس میں آپ کی غیر فانی نظم "اے عشق کہیں لے چل" جس کی عرصہ سے تلاش تھی، مل گئی۔ میں رحمن صاحب (جن سے میرا تعارف ہے) کا مشکور ہوں کہ ان کی فرمائش پر اسے شایع کیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ بہت سے اصحاب اسے پڑھ کر آپ کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہوں گے۔

ڈراما نمبر یوں تو بہترین ہے، لیکن اس میں کوئی مضمون فن پر نہیں لکھا گیا۔ چاہیے تھا کہ ڈرامے کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہ کیا جاتا۔ یوں بھی میرے خیال میں آپ نظم پر کوئی مضمون ماہانہ شایع نہیں کرتے جس کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ اپنے قلم سے چند تنقیدی مضامین لکھ دیں تو بہت بڑی خدمت ہو جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ جہاں میں انگریزی میں سیکڑوں مضمون نظم پر لکھتا ہوں اردو میں اس طرح اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا میرے خیال میں اس وقت ملک اور قوم کو تعلیمی اور اخلاقی قلموں کی سخت ضرورت ہے۔ یورپ میں اگر MASSES کو تعلیم دی گئی تو وہ فلم کے ذریعے تھی۔ آج کی یہ حالت ہے کہ وہ ہم سے بدرجہا بہتر ہیں اور ان کی انڈسٹری دنیا میں بہترین سمجھی جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

دلیپ بادل

"خطا"

آیا نظر گلاب کا اک پھول باغ میں　　گرمی سے جس کا حال بُرا تھا بہت بُرا
میں نے کیا سوال یہ حالت ہو کیوں تری؟　　فی الفور اس گلاب نے رو رو کے یہ کہا
"اے جانِ جاں مرا تو بس اتنا قصور ہے　　میں ہنس پڑا تھا صحنِ گلستاں میں اک ذرا"

چٹانیں

اسرار اکبر آبادی

آسماں کے محلوں میں
سو گئے ہیں شہزادے
سرمئی خلاؤں میں
اونگھتے ہیں سناٹے
دم بخود ہوائیں ہیں
ڈر بھی صدائیں ہیں
ہر طرف اندھیرا ہے
دل میں بس سویرا ہے
سامنے چٹانیں ہیں
اور میں اکیلا ہوں
برف کے پہاڑوں پر
ایک سائے کی مانند

چکن کے پھول

زیدی جعفر رضا

آج تم آئی ہو
پھولوں سے لدی ہوئی
چکن کی ساری میں
ٹھیک ہے...
دلکش تم لگتی ہو
لیکن وہ ناز نیں۔
"فنکارہ"
تم سے بھی دلکش ہے
جس نے۔
رات دن آنکھیں گڑو کر
سوئی کی نوک کے سہارے
نازک انگلیوں کے
بلکے اشاروں سے
یہ پھول کاڑھے ہیں۔

کلکتہ کارپوریشن کے اسکولوں میں اردو طلبہ کا داخلہ

یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہماری اپیل پر گذشتہ سالوں میں کلکتہ کارپوریشن پرائمری اسکولوں میں اردو داں طلبہ زیادہ تعداد میں داخلے لے رہے ہیں اور ان اسکولوں میں تعلیم بھی بہتر طور پر ہو رہی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان اسکولوں کے طلبہ کے نتائج فائنل پرائمری امتحانات میں شاندار رہے ہیں۔

ان اسکولوں میں نئے داخلے شروع ہو چکے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ اپنے نام یہاں درج کرائیں گے۔ جن اسکولوں میں اب تک نشستیں خالی ہوں وہاں لوگوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو داخل کروا کر ان اداروں سے فائدہ حاصل کریں۔ یہ اسکول آپ ہی کے پیسوں سے چل رہے ہیں اور ان میں داخلہ لینا اور صحیح تعلیم اور انتظامات کا مطالبہ کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔

انجمن ترقی اردو اپنے طور پر ان اردو اسکولوں کی اصلاح کے لیے کوشش کر رہی ہے اور کارپوریشن کی توجہ ان اہم مسائل مثلاً اساتذہ کی خالی جگہوں کو پُر کرنا، عمارات کی حالت بہتر کرنی اور ضروری سامان مہیا کرنے کی طرف مبذول کرا رہی ہے اور کامیابی بھی ہو رہی ہے۔ تمام اردو دوست حضرات کا فرض ہے کہ انجمن کو ان تکالیف کی نشان دہی کریں جو ان کے علاقوں کے اسکولوں کے سلسلے میں درپیش ہیں تاکہ انجمن ان کے متعلق زیادہ قطعیت کے ساتھ کارپوریشن کے سامنے معاملات پیش کر سکے۔ براہ راست یا اپنے علاقوں کے کونسلر حضرات کے ذریعہ بھی انھیں کارپوریشن تک یہ شکایات پیش کرنی چاہییں۔

کلکتہ کارپوریشن عنقریب کلکتہ کے مختلف علاقوں میں مزید پرائمری اسکول کھولنے والا ہے۔ جن علاقوں میں مزید اردو اسکولوں کی ضرورت محسوس کی جائے وہاں کے اردو دوست حضرات سے مخلصانہ گذارش ہے کہ وہ خود بھی کارپوریشن کو اس کے متعلق مطلع کریں اور ہمیں بھی اس کی اطلاع دیں۔

اس سلسلے میں تمام خط و کتابت میرے نام دہلی میڈیکل ہسپتال ۹ بی بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ ۱۲ کے پتے پر بھیجی جا سکتی ہے اور رمضان المبارک کے مہینے کے دوران ۹ سے ۱۰ بجے شب کے درمیان مجھ سے بالمشافہ یا فون نمبر ۲۲۹۹ پر گفتگو بھی کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر ایم۔ اے مجید جنرل سکریٹری، انجمن ترقی اردو مغربی بنگال، کلکتہ

سودج تحویر

پارلیمنٹ میں لسانی مسائل پر بحث

ہندوستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) میں حالیہ اجلاس کے دوران لسانی مسائل پر جو بحث ہوئی وہ اخبار بین طبقہ کی نظر سے گزری ہوگی۔ قارئین ہماری زبان کے لیے ذیل میں ان مباحث کا اختصار پیش کیا جا رہا ہے۔

سہ لسانی فارمولہ کی کسمپرسی:-

مرکزی وزیر تعلیم شری چھاگلہ نے راجیہ سبھا میں ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے جنوبی صوبے تو سہ لسانی فارمولے پر عمل کر رہے ہیں۔ مگر اترپردیش اور دوسرے شمالی صوبوں میں اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ فارمولے کے تحت یہ قرار دیا گیا تھا کہ ہندی اور انگریزی کے ساتھ ایک "جدید ہندوستانی زبان" پڑھائی جائے مگر شمالی صوبے اس فارمولے پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ یوپی میں انگریزی اور ہندی کے ساتھ سنسکرت پڑھائی جارہی ہے جبکہ فارمولے کے مطابق انگریزی اور ہندی کے ساتھ ایک جدید ہندوستانی زبان پڑھائی جانی چاہیے۔ سنسکرت، جدید زبان کی تعریف میں نہیں آتی۔

وزیر تعلیم نے مزید کہا کہ۔ اگر یوپی جیسے صوبے لسانی فارمولے پر عمل کرنے کو تیار ہو جائیں تو بھارت سرکار سو فیصد گرانٹ دینے اور ٹیچر مہیا کرنے کو تیار ہے۔

جب وزیر تعلیم سے پوچھا گیا کہ مرکزی سرکار شمالی صوبوں کو فارمولہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور کیوں نہیں کرتی؟ تو وزیر موصوف نے جواب دیا۔ آئین مجھے بے بس بنا دیتا ہے۔

انگریزی، ہندی اور مقامی زبانیں:-

یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے مرکزی وزیر تعلیم شری ایم۔سی چھاگلہ نے پارلیمنٹ میں اپنی تقریر کے دوران کہا۔ یونیورسٹیوں کو مناسب تیاری کے بغیر علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ نئی یونیورسٹیاں قائم کرنے کی بجائے تعلیم کا معیار بلند کرنے اور اسے بہتر بنانے پر خاص توجہ دی جائے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ جب تک انگریزی یونیورسٹیوں کا ذریعہ تعلیم ہے تب تک ہمیں انگریزی کا علم کم نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اسے مزید بڑھانا چاہیے۔

وزیر تعلیم نے پرزور تالیوں کے درمیان کہا۔ میں کسی دباؤ میں آکر وہ اقدام نہیں کر سکتا جس سے ملکی اتحاد کمزور ہو۔ وزیر تعلیم نے ملک میں رابطہ باہم قائم رکھنے والی زبان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میرے لیے قومی اتحاد سب سے زیادہ اہم ہے۔ میں ایسی زبان چاہتا ہوں جو مختلف لوگوں، یونیورسٹیوں، عدالتوں، علماء اور ماہرین تعلیم کے درمیان ایک مشترکہ کڑی ہو۔ جب تک ہندی جو قومی زبان ہے۔ انگریزی کی جگہ نہ لے لے تب تک ہمیں انگریزی کو ختم نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ آج انگریزی ہی رابطہ قائم کرنے والی زبان ہے۔ جب یونیورسٹیوں میں چودہ مختلف زبانیں پڑھائی جاری ہوں گی اور ہندی زبان باہمی رابطہ کی زبان بن جائے گی۔ تب بھی انگریزی کی بین الاقوامی زبان کے طور پر اہمیت باقی رہے گی۔ انگریزی بھی ہمارا قیمتی سرمایہ ہے جوش یا زبان پرستی کے جذبہ میں اسے دور نہیں پھینک دینا چاہیے۔

مشترکہ رسم الخط کا مسئلہ:-

پارلیمنٹ میں دیگر ہندوستانی زبانوں کے لیے دیوناگری رسم الخط اپنانے کا سوال بھی زیر بحث آیا۔ ہندی زبان کے بعض حامیوں نے ہندوستان کے لیے ایک مشترکہ رسم الخط کی اہمیت اور ضرورت کے نام پر تمام ہندوستانی زبانوں کے لیے دیوناگری رسم الخط اپنائے جانے پر زور دیا مگر حسب سابق اس دفعہ بھی وہ اپنا مطالبہ منوانے میں ناکام رہے۔

وزیر داخلہ شری گلزاری لال نندا نے اس معاملہ میں شری بیشو دھنا ریڈی کے سوال پر بتایا کہ حکومت کسی کو تمام بھارتی بھاشاؤں کے لیے دیوناگری لپی کو مشترکہ رسم الخط کے طور پر اپنانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتی۔

درخواست کی زبان میں جواب:-

پنجاب کے دو اکالی ممبران پارلیمنٹ سردار کپور سنگھ اور شری دھنا سنگھ گلشن کے ایک مشترکہ سوال کا جواب دیتے ہوئے نائب وزیر داخلہ نے لوک سبھا میں بتایا کہ ۲۵ اگست ۱۹۶۴ء کو پنجاب سرکار نے جو ہدایت جاری کی تھی کہ جس زبان میں کوئی درخواست موصول ہو سرکار کی جانب سے حتی الامکان اسی زبان اور اسی رسم الخط میں جواب دیا جائے — نائب وزیر نے بتایا کہ ریاست کے کسی بھی افسر یا اتھارٹی کو آئین کی دفعہ ۳۵۰ کے مطابق ریاست میں استعمال کی جانے والی کسی بھی زبان میں اور

رسم الخط میں درخواست دی جا سکتی ہے۔ اور اس قسم کی عرضداشت کے جواب میں مکمل طور پر وہی زبان اور رسم الخط استعمال کیا جائے گا۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ یہ ہدایت [illegible] فارمولہ کے کسی طرح منافی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف کارروائی کا کوئی سوال ہی پیدا ہوتا۔ یہ ہدایت شکایات کی تلافی اور درخواست دہندگان کی آسانی کے لیے جاری کی گئی ہے۔

شری سی بی گپتا کی تردید۔

یہاں یہ ذکر بھی غالباً غیر متعلق نہ ہوگا کہ جب مرکزی وزیر تعلیم نے پارلیمنٹ میں سہ لسانی فارمولہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے یوپی میں اس فارمولہ کی درگت اور یو۔ پی سرکار کی فارمولہ سے بے اعتنائی کا واضح اور حقیقت پر مبنی ذکر کیا تو یوپی سرکار کی وزیر اعلیٰ شریمتی کرپلانی یا صوبائی وزیر تعلیم کی طرف سے اس کی تردید یا صوبائی سرکار کی صفائی میں کوئی بیان منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ لیکن یوپی کے سابق وزیر اعلیٰ شری چندر بھان گپتا نے معلوم نہیں کس حیثیت میں پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے اس حقیقت کو جھٹلانا ضروری سمجھا۔

کلکتہ میں یوم غالب

حسب اعلان "یوم غالب" کا جلسہ مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں انجمن ترقی اردو کلکتہ کی طرف سے ۲۱ر جنوری ۱۹۶۵ء کی شام کو پنڈت آنند نرائن ملا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب صدر اور مہمان خصوصی حضرت علامہ جمیل مظہری کو ہار پہنائے گئے۔ غالب کی غزل "دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟" عقیل احمد صاحب نے ترنم سے سنائی۔ پروفیسر عباس علی خاں صاحب بیخود صدر شعبۂ اردو مولانا آزاد کالج نے اپنا پرمغز مقالہ پیش کیا جس میں غالب کی انفرادیت کو غالب کے اشعار سے واضح فرمایا اور غالب کے فن پر سیر حاصل بحث کی۔

اسد الزماں اختر نے اپنا مقالہ "غالب کی قوت مشاہدہ" پیش کیا۔ مقالہ نگار نے اشعار کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ غالب کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار اس قدر اثر انگیز اور تہہ دار ہیں۔ علامہ جمیل مظہری نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ غالب صرف ایک شاعر یا مفکر ہی نہیں بلکہ ہمارے ذہنوں کا معمار بھی ہے۔ نوجوانوں کو اس نقطۂ نگاہ سے بھی غالب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ غالب ایک مستقل دبستان فکر ہے۔ ہم جس قدر غور سے اس کے کلام کا مطالعہ کریں گے اسی قدر نئے نئے گوشے ہماری نگاہوں کے سامنے آتے جائیں گے اور زندگی کے حقائق کا انکشاف ہوتا جائے گا۔ آخر میں جناب صدر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ غالب ہمارا محبوب اور عظیم شاعر ہے لیکن اس کی شاعری سے لطف اندوز ہونے اور اس کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس زبان کی بقا کی کوشش بھی کریں جس میں غالب نے شاعری کی ہے۔ اگر یہ زبان زندہ ہے تو غالب بھی زندہ ہے۔ سامعین نے تالیوں سے جناب صدر کی تقریر کی تائید کی۔

اس کے بعد مشاعرہ ہوا مصرع طرح تھا

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

(علقمہ شبلی کنوینر ادبی کمیٹی)

اردو مجلس کی ادبی محفل

ترجموں کی افادیت پر تقاریر

۲۰ر دسمبر کو اردو مجلس کے زیر اہتمام اردو ہال حیدر آباد میں ادبی محفل منعقد ہوئی۔ جس میں کماری منیرہ کاؤس جی نے اپنا مقالہ انگریزی نظموں کے اردو ترجمے پڑھا۔ کماری کاؤس جی نے بڑے ستھرے اور سنجیدہ انداز میں اردو ادب کی ترقی کے لیے انگریزی زبان کے مشہور شاعروں کے کلام کے ترجموں کی افادیت پر زور دیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمارے جن شاعروں نے جس میدان میں جرات رندانہ دکھائی ہے وہ اگرچہ قابل اعتراف ہے مگر اطمینان بخش نہیں۔ اس مقالے کے بعد ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کو پر لطیف اور مؤثر بنانے کے لیے ترجمے کے فن کو اپنانے اور اپنے ماحول کے تقاضوں کے پیش نظر نئی راہیں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

انھوں نے علامہ اقبال کے بلند پایہ ترجموں کو ایک مثالی اور نمونہ تسلیم کیا۔ شعراء میں صادق نقوی، بانو طاہرہ سعید، ممتاز حیدر، فیض الحسن خیال، رویدر رحمانی، اسد انصاری، ابن احمد تاب، حکیم یوسف حسین خاں اور ڈاکٹر مسعود نے اپنا کلام سنایا۔ شریمتی فاطمہ عالم علی خاں نے شکریہ ادا کیا۔

(ملاپ حیدر آباد)

"ہماری زبان" کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔

(بقیہ صفحہ ۴ کا)

ہماری فلموں میں نہ وہ بات ہے اور نہ وہ سبق۔ یہاں فلم محض روپیہ بٹورنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور ان کا واحد مقصد یہی ہے ......"

شیخ صاحب کے اس خط سے "رومان" کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ علم میں آتی ہے کہ "رومان کا ڈرامہ نمبر شایع ہوا تھا۔

شیخ صاحب کے خط کے جواب میں ان کے خط کو سراہتے ہوئے فلم اور شیخ صاحب کے متعلق چند باتیں کہی گئی ہیں۔ اس جواب کے بعد پانچواں خط "راولپنڈی کے مضافات سے" کسی صاحب کا ہے۔ اس خط میں رودادِ عشق کے ساتھ مرضِ عشق کی دوا طلب کی گئی ہے۔ اس خط میں ایک جگہ یہ بات قابلِ ذکر آئی ہے۔

"سنہ ۱۹۳۶ء کے آغاز میں میں کسی خاص عزیز کی ملاقات کے لیے نیٹ گری گیا، جہاں مجھے کافی عرصہ تک ٹھہرنا پڑا۔ وہاں ایک عزیز دوست نے آپ کے رومان کا "افسانہ نمبر ۱۹۳۵ء کا پرچہ میرے ہاتھ میں دیا۔"

نوٹ۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۵ء میں "رومان کا افسانہ نمبر شایع ہوا تھا۔

آخر میں پانچویں خط کا ایک دلچسپ سا جواب ہے

صفحہ ۷ پر "عالمِ نسواں" کی جلی سرخی کے ذیل میں اس صفحہ کے ایک ایک کالم پر محترمہ مسز مریم ندا حسن، ایم۔ اے اور پچاس روپے کا ادبی انعام" اور "محترمہ مسز ذکیہ ظفر حسین، بی۔ اے اور پنجاب اسمبلی کی رکنیت" کے عنوان سے ایک اعلان اور ایک تبصرہ و تعارف شایع ہوا ہے پہلے کالم پر ادبی انعام کا وہ تفصیلی اعلان ہے۔ جو رومان ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء کے سالانہ نمبر کے بہترین افسانہ پر بطور پچاس روپیہ مسز مریم ندا حسن صاحبہ کی جانب سے ان کی بچی ارشاد ندا حسین مرحومہ کی یاد میں دینا قرار پایا ہے۔ دوسرے کالم پر محترمہ موصوفہ سے موصولہ مطبوعہ مسائل پر تبصرہ و تعارف درج ہے۔

صفحہ ۸ پر "تعارف" کی جلی سرخی کے ذیل میں بعنوان مضامین اور مضامین نگار" اختر شیرانی (ا۔ ش)، رقمطراز ہیں۔

ایک دوست کے دو شعر

گزشتہ اشاعت میں مسٹر عبد العزیز خاں تحصیلدار (جیپور) کی ایک فارسی غزل شایع ہوئی تھی۔ اس غزل کی حیثیت ایک "نادر منظوم" کی سی تھی۔ اور اسے درحقیقت "دائرہ رومان" میں شایع ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے دو شعر اس قدر شعر واقع ہوئے ہیں کہ انھوں نے غزل کو ایک مستقل ادبی حیثیت کا مالک بنا دیا ہے۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

نہ کند دلم کفایت، بہ نگاہ ناز کردن!
چہ رسد بہ رخ نمودن، سرِ حرف باز کردن!
ہمہ کام بوسہ گیری، سخنے بہ راز گفتن!
ہمہ نقدِ عیش جانی، بہ چنیں نیاز کردن!

اس زمین میں نظیری نیشاپوری کی غزل اب تک بے مثال چلی آتی ہے۔ لیکن عزیز خاں نے بھی یہ دو شعر لاجواب کہے ہیں۔

ناظرینِ رومان تعجب کریں گے۔ جب انھیں معلوم ہوگا کہ ان شعروں کا راقم کوئی شاعر نہیں ہے عبد العزیز خاں ہمارے "ہم جماعت" رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ کالج کی زندگی میں انھیں "شاعری" اور "شاعروں" سے "سخت نفرت" تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کالج کی دیوار پر بھی کوئی شعر لکھا دیکھ لیتے تھے تو سخت ناراض ہوتے تھے "ستم بالائے ستم" یہ کہ وہ تمام "نقش بدیوار اشعار" کا ذمہ دار ہمیں کو سمجھ لیتے تھے۔؎

ہمیں یاد ہے وہ ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

اب سے اتنی مدت گزر جانے کے بعد ہمارے دوست دفعتاً "ایک" شاعر" کے لباس میں نمودار ہوتے ہیں اور ان کے احباب متحیر ہو کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "شاعری" اور "تحصیلداری" میں ضرور کوئی خاص تعلق ہے ؎

ورائے شاعری چیزے دگر ہست!

ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی نے ایک مرتبہ کہا تھا ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فن شاعری منحوس ہے
شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

لیکن ہمارے دوست کے ساتھ معاملہ برعکس ہے۔ وہ شعر کہتے کہتے "تحصیلدار" نہیں بنے بلکہ "تحصیلداری" کرتے کرتے شاعر ہو گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف "شاعری ہی میں "تحصیلدار" بنانے کی تاثیر نہیں بلکہ "تحصیلداری" میں بھی "شاعر" یا ادیب بنانے کی اہلیت موجود ہے

پاگل خانے کے فلسفی کا روزنامچہ

اگر کسی کو ہمارے اس نظریہ کی صداقت میں شبہ ہو تو اس کی ایک اور مثال ہمارے دوست سید شبیر حسین صاحب ہیں جنہیں ان کی تحصیلداری کے عہد کی ابتدا سے پہلے لاہور کے کالجوں کی فضائیں زیادہ سے زیادہ ایک کرکٹ کے کھلاڑی کی حیثیت سے جانتی تھیں لیکن آج تحصیلدار بننے کے بعد (اور ہمارے عقیدہ کے مطابق "تحصیلداری" کے "نتیجے کے طور پر"!) "رومان" کے ناظرین ان کو ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے جاننے لگے ہیں ایسے افسانہ نگار کہ جن کی ذات سے اردو افسانوں کے مستقبل کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں ان کے جتنے افسانے آج تک "رومان" میں شائع ہوئے وہ بلا استثنا بہت کامیاب اور قبول عام کے مستحق ثابت ہوئے اس اشاعت میں بھی ان کا ایک افسانہ نظر آئے گا جو طرز جدید کا حامل ہے۔ مگر غیر ملکی ادب کا منت کش نہیں۔ اس افسانے کا مقصد موجودہ ہندوستانی تہذیب پر تبصرہ کرنا ہے۔ ایسا تبصرہ جو تکلف و تامل سے بیگانہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا بے باکانہ تبصرہ وہی شخص کر سکتا ہے۔ جس کا قلم کسی قسم کی مصلحت یا اندیشہ کے زیر اثر نہ ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے ان کی جدت پسندی نے پاگل خانے کے ایک فلسفی کو منتخب کیا ہے۔ یہ افسانہ "پاگل خانہ" کی زندگی کا ایک ایسا مرقع ہے۔ جس میں تفصیلات سے کام لیتے ہوئے قوت مشاہدہ و ادراک کا بہت اچھا استعمال اور اس کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں فکاہی رنگ بھی نظر آتا ہے۔ جس نے افسانے کی دلچسپی میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔

گور غریباں

شیخ عالم علی صاحب کی یہ نظم طوالت کے باوجود اس اثر کی حامل ہے جو ایسی نظموں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ نظم کی عبرت آموز فضا کے لیے جن ضروری نقوش کو منتخب کیا گیا ہے وہ یقینی موجودگی کو بدرجہ اتم لازمی قرار دیتے ہیں وہ فضا کی عبرت ناکی میں کافی اضافہ کر رہے ہیں جس کے لیے شیخ صاحب مستحق داد ہیں۔

اس نظم کے ذریعہ سے "رومان" پہلی مرتبہ ان کے فیض سے مستفید ہوتا ہے ہمیں امید ہے کہ یہ آغاز ہی اپنا انجام نہ ہوگا۔

تارو

شبیر صاحب کی طرح ڈاکٹر صدیق حسین نجمی کی افسانہ نگاری بھی خالصتاً "رومان" کے "ادبی اکتشافات" کی پیداوار ہے چنانچہ اگست نمبر میں ان کا سب سے پہلا افسانہ (دیہاتی ڈاکٹر) نظر آیا اور ایک ڈاکٹر کی "سعید جوانی عبا" — میں اردو دنیا کو ایک ہونہار افسانہ نگار سے روشناس کر گیا۔ یہ افسانہ جو ان کی غیر معمولی قوت مشاہدہ کا کامیاب ثبوت تھا بہت مقبول ہوا۔ اس اشاعت میں ہم کمال مسرت کے ساتھ ان کا دوسرا افسانہ "تارو" درج کر رہے ہیں۔ جو پھر ان کی قوت مشاہدہ کے نتائج و اثرات سے مالا مال ہے۔ کہیں کہیں پنجابی زبان کے بعض خالص دیہاتی گیتوں کا پرتو بھی نمایاں ہے۔ جس نے افسانوی فضا کی دلآویزی میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔ ہمارے وہ ناظرین جو پنجابی نہیں جانتے ان نا تمام گیتوں کے مفہوم سے شاید بے خبر رہیں۔ ان کی سہولت کے لیے ترجمہ بھی ساتھ ساتھ دیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ تکلف اس لیے نہیں روا رکھا گیا کہ اصل چیز موسیقی ہے اور دنیا کی کسی موسیقی کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے عام طور پر دیہاتی گیتوں کا لطف ان کے الفاظ میں نہیں ان کے استعمال میں ہوتا ہے اور بعض الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ کے استعمال اور انداز کے لطف کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔

نبات شیراز

ہم اپنے محترم دوست مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش (مدیر احسان) کی یہ غزل شائع کرتے ہوئے حیران ہیں کہ ان دلکش فارسی اشعار کی تخلیق پر مبارک باد کس چیز کو قرار دیں۔ میکش صاحب کی طبع رنگیں کو؟

آنچہ اہل تحیر ہیں زبانی می کنند
[illegible] الفاظ [illegible] از معانی می کنند
[illegible] نقش صورت [illegible]
[illegible] ترجمانی می کنند
در ہوائے جوئے شیر [illegible]
بے ستون را [illegible] فرہادی می کنند

با ماہ اگست کی ۱۵ تاریخ کو؟ جو ہمیں "خطرناک" حد تک "پُراسرار" معلوم ہوتی ہے اور جس کے لیے لسان الغیب نے صدیوں پہلے کہا تھا ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
واندراں ظلمتِ شب "آبِ حیاتم" دادند
ایں ہمہ قند و شکر "کز سخنم" می ریزد
اجرِ صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

آمدِ بہار

یہ "بہاریہ" ترانہ جو حقیقتاً "عالم بہار" کی "خزاں رسیدگی" اور "دولتِ شباب" کی "خون آشامیدگی" کا دو گونہ مرقع ہے۔ ہمیں اپنے پرانے مسودوں میں ملا ہے اور ہمیں مسرت ہوگی اگر چند "بستیاں اپنی اشک بار بسانے والے" کوئی "بزرگ" اس کی ملکیت کا دعویٰ کریں۔ لیکن اس دعوے کو اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب یہ "بزرگ" اپنے ایسے ہی حسین تخیلات کے اعادے سے گا

کبھی ویرانوں کے سینے کو بھی آباد کریں!! ادش

یہ تبصرہ و تعارف صفحہ ۹ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے من و عن نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مضمون اور مضمون نگار کی حیثیت کیا تھی اور اختر شیرانی ناقدانہ انداز میں کتنی پیاری نثر لکھتے تھے۔

صفحہ ۱۰ پر "کشکولِ اختر" کی جلی سرخی کے ذیل میں بعنوان "اردو کی بہترین غزلیں" "غزل ذکی دہلوی۔ تلمیذ مرزا غالب مرحوم" درج ہے۔ مطلع و مقطع یہ ہے۔

اسیری میں تباہی رونقِ کاشانہ ہو جائے
قفس ہی نالے سے جل کر چراغِ خانہ ہو جائے
فغاں کرتے ہوئے جا پہنچ اس کی بزمِ عشرت میں
کہیں اے ذکی یہ شوقِ رندانہ ہو جائے

اشعار کی کل تعداد ۹ ہے۔

صفحہ ۱۱ سے "تنقید و نظر" کی سرخی کے ذیل میں بعنوان "دیوان خواجہ معین الدین اجمیری (کیا یہ دیوان انہی کی ملکیت ہے؟)" "پروفیسر ح۔ محمود خاں شیرانی بجواب پنجاب یونیورسٹی (لاہور)" کا مبسوط اور معرکۃ الآرا تنقیدی مضمون شروع ہوتا ہے۔ اس مضمون میں محمود شیرانی نے اپنے مخصوص ناقدانہ انداز میں ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ "دیوان خواجہ معین الدین" دراصل خواجہ اجمیری کا فرمودہ دیوان نہیں ہے۔

یہ محمود شیرانی کے مضمون کی پہلی قسط ہے اور صفحہ ۱۸ پر ختم ہوتی ہے۔ آخر میں "باقی" لکھا ہے۔

صفحہ ۱۸ ہی پر "ملک عبد الحمید صاحب حمید۔ ایچ۔ پی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول (ٹونک)" کی غزل ہے۔ غزل کے اشعار کی کل تعداد ۵ ہے اور مطلع و مقطع یہ ہے۔

وعدۂ فردا کسی کا یاد کر لیتا ہوں میں
خاطرِ ناشاد کو یوں شاد کر لیتا ہوں میں
دل کا خوں میں ماجرا لکھنے لگا ہوں اے حمید
اب قلم کو تیشۂ فرہاد کر لیتا ہوں میں

صفحہ ۱۹ پر "سید سرفراز حسین صاحب تسنیم ایم۔ اے۔ (علیگ) پروفیسر رشید کالج (لکھنؤ)" کی غزل ہے۔ غزل کے اشعار کی تعداد ۵ ہے۔ اور غزل کا مقطع و مطلع یہ ہے۔

اصلِ جمعیت سمجھتے ہیں پریشانی کو ہم
عین ساماں جانتے ہیں بے سامانی کو ہم
نزع میں تسنیم کو آئی تھی پیہم یہ ندا
آج کرتے ہیں رہا برسوں کے زندانی کو ہم

صفحہ ۲۰ سے "حقوق و قوانین" کی سرخی کے ذیل میں بعنوان "مسلمانوں کا پرسنل لا" (یا مسلم حقوق خصوصی) "پروفیسر عبد الباسط ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) اسلامیہ کالج لاہور" کا مضمون شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۲۴ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ مضمون اپنی جامعیت اور اختصار کی بنا پر خوب ہے۔ صفحہ ۲۴ ہی پر "رضیہ رعنا (اردو)" کی تین اشعار پر مشتمل ایک نظم "تجدید" ہے۔

صفحہ ۲۵ پر "لطیفِ زبان" کی سرخی کے ذیل میں بعنوان "غزل" "مولانا سید شرف الدین یاس ٹونکی پروفیسر جامعہ ملیہ (دہلی)" کی غزل ہے۔ غزل کے اشعار کی کل تعداد (۷) ہے۔ اور مطلع و مقطع حسب ذیل ہے۔

بے غمِ الفت تو دم بھر زندگی اچھی نہیں
ہو ترا بیمار اچھا وہ گھڑی اچھی نہیں
بھول کر امیدوار اپنا نہ کہنا یاس کو
یاد رکھنا آج سے یہ دل لگی اچھی نہیں

(بقیہ آئندہ شمارے میں)

مراسلات

جواہر لال یا لعل

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے "نیا دور" میں ایک مختصر سی بحث شایع ہوئی ہے کہ جواہر لال لکھنا چاہیے یا لعل۔ اس میں "لعل" کے حق میں کچھ میں آتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اگر پنڈت نہرو نے جواہر کی مناسبت سے "لعل" لکھا تو اس کے کیا معنی ہوئے اس پر ان کی نظر نہیں گئی۔ ہندی میں لال تین معنی میں آتا ہے سُرخ، لعل اور بیٹا۔ بیٹے کے معنی کے ساتھ اس لفظ میں جو پیار اور بیش بہا جنس ہونے کی کیفیت ہے وہ الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے دو مثالیں پیش ہیں ملاحظہ ہوں۔ شری رامچندر جی جب بن باس پر جانے سے پہلے اپنی ماتا کوشلیا جی سے رخصت ہونے جاتے ہیں تو وہ دوران گفتگو میں فرماتی ہیں ؎

یعنی کسی غریب کے گھر میں اگر جنم ہوتے نہ میری جان کے سامان یہ بہم
ڈستے نہ سانپ بن کے مجھے دولت و حشم تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

(چکبست)

انیس کہتے ہیں ؎

دیتے نہیں یہ لال زر و مال کے بدلے دولت بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

ہندوستانی ناموں میں جو lal آتا ہے وہ اسی معنی میں آتا ہے جیسے رام لال، اننت لال، شام بہاری لال وغیرہ۔

یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں ناموں میں lal بے جوڑ بھی معلوم ہوتا ہے مگر یہ نام رکھنے والے کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ جیسے شوری لال، رشک لال۔ فارسی لغت میں لعل کو "لال" کا معرب لکھا ہے اور اس کے معنی ہیں سُرخ رنگ اور ایک قیمتی جوہر۔ اس سے ثابت ہے کہ ناموں میں lal کو "ع" سے لکھنا خطا ہے۔

(جگر بریلوی)

بنارس یونیورسٹی اور اردو

میں اپنے اس عریضے کے ذریعہ آپ کی اور منتظمین بنارس ہندو یونیورسٹی کی توجہ ایک بہت افسوسناک اور تکلیف دہ صورت حال کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے مشہور و معروف اخبار میں میرا یہ خط شایع فرما دیں گے تاکہ تمام متعلق اصحاب کو اس کا علم ہو جائے۔

میں اپنے وطن اترپردیش سے ڈھائی ہزار میل کی دوری پر جزائر انڈمان میں بطور معلم ملازمت کر رہا ہوں اس سال میں نے ارادہ کیا کہ اردو میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان دسے ڈاؤں لہٰذا میں نے ایم۔ اے کا syllabus منگوایا جس میں اردو کا کورس دیا ہوا ہے اس بنیاد پر میں نے امتحان کی تیاری بھی شروع کر دی اس سلسلے میں بمورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو میں نے ایک اور خط رجسٹرار صاحب کو لکھا اور امتحان کا فارم منگوایا میرے اس خط کے جواب میں controller of Examinations کے دفتر سے مجھے اطلاع دی گئی کہ بنارس یونیورسٹی میں ایم۔ اے پرائیویٹ کے لیے اردو کا کوئی انتظام نہیں ہے خط ۸ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو لکھا گیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

This is to inform you that there is no provision for urdu in our M.A courses

یہ جان کر مجھے بے انتہا مایوسی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے وقت کے ضائع ہونے کا بھی افسوس ہوا معلوم نہیں میری طرح میرے اور کتنے بھائی ہوں گے جو اس جیسی دھوکے میں آ کر لاچاری اور بے بسی کے عالم میں اپنے قیمتی وقت اور محنت سے کمائے روپے کا ماتم کر رہے ہوں گے میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب بنارس ہندو یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے تو صرف دکھانے اور نام کے لیے اس کا اعلان کیوں کیا جاتا ہے۔ اور کیوں اردو کو syllabus میں رکھا گیا جب کہ یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم ہی نہیں دی جاتی۔ اس طریقے سے نہ صرف ایک مشہور و معروف یونیورسٹی کی بدنامی ہوتی ہے بلکہ لوگوں کے قیمتی وقت اور روپے کا نقصان بھی ہوتا ہے۔

کیا منتظمین یونیورسٹی میری اس گزارش پر توجہ فرمائیں گے۔

(تصدق داد خاں پورٹبلیر)

مراسلہ

کوئی صاحب یہ بتانے کی زحمت کریں کہ حکیم لقمان جالینوس اور بقراط کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور انھیں انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔ ایسپ کو بھی اردو میں لقمان کہا جاتا ہے لیکن غالباً حکیم لقمان ایسپ سے الگ کوئی پر اسرار شخصیت ہے مثل مشہور ہے "وہم کی دوا حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں"۔ غالباً یہ تینوں حضرات طبیب تھے۔ ایک روایت کے مطابق بقراط جالینوس کا شاگرد تھا لیکن بعد میں ناچاقی ہو جانے کے باعث دونوں میں غضب کے معرکے ہوئے۔ کیا بقراط کا سقراط سے کوئی رشتہ ہے!

(گیان چند)

مشاعروں کا موسم

"افسر" کی شان آپ کا مضمون "مشاعروں کا موسم" بہت مقبول ہو رہا ہے اس کی تائید میں راقم الحروف نے "میرے دل کی آواز" مرتب کیا اب دونوں کو دیکھ کر ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب نے ان کا سہارا لے کر ایک مضمون ہمارے مشاعرے کے عنوان سے لکھا ہے جو دعوت دہلی (مورخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۴ء) میں شایع ہوا ہے اس میں انھوں نے ان امور کی ترجمانی یا تفسیر کی ہے جو ہر دو مضامین میں مذکور ہیں اور کچھ اپنے بھی مفید مشورے دیے ہیں اور تجاویز کا اضافہ کیا ہے اور انتخاب عبارت کا اقتباس بطور سند پیش کیا ہے خدا انجمن کی شاخوں کے کارکنوں کو اس امر کی توفیق دے کہ وہ مرکزی انجمن کا کام، مقام اور پیام سمجھیں اور اس کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔

متشکین مشاعرہ اور سستی ذوق رکھنے والے ان کے رفیق اس تنقید سے ناراض ہیں جو آل انڈیا مشاعرہ جو دسمبر پر کی گئی ہے حالانکہ بات بالکل سچی ہے قوم کا مذاق بگڑتا ہوا کس طرح دیکھنا گوارا کر لیا جائے۔

امید کرتا ہوں کہ ایسے اصلاحی مضامین آیندہ بھی ارقام فرماتے رہیں گے۔

خاکسار ابو الاسرار رمزی

ایک پبلشر کی فریب دہی

ہماری زبان مورخہ یکم جون ۱۹۶۴ء کا پرچہ اب تک بہت سے افراد کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ اس پرچے میں آپ نے یہ اشتہار شایع کیا تھا کہ "سرشار کا شاہکار فسانۂ آزاد پاکٹ بک سیریز کی صورت میں قسط وار چھپ رہا ہے" مجھ جیسے سادہ لوحوں کی جو شامت آئی کچھ دن بعد مطلوبہ رقم روانہ کر دی۔ ایک مدت بعد شدید تلخ خط و کتابت کے بعد پہلی جلد ہاتھ لگی مگر دوسری جلد کے انتظار میں مجھے جتنی پریشانی ہوئی شاید کسی عاشق کو بھی محبوب کے انتظار میں نہ ہوئی ہو گی شب ہجر نے اتنا طول پکڑا کہ اب تک جاری و ساری ہے خط و کتابت کی کثرت سے محکمۂ ڈاک پریشان آ گیا مگر نولکشور بک ڈپو کے وارث کی پیشانی پر عرق انفعال بھی نمودار نہ ہوا۔ آپ یہ بطور شایع فرما دیں تاکہ یہ تو معلوم ہو کہ آیا موصوف بقید حیات ہیں بھی یا پھر عالم بالا سے رابطہ قائم کیا جائے ہم جیسے لوگ تو اب یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ فسانۂ آزاد کے سلسلے میں یہ اشتہار بازی صرف احساسِ مفلسی کی کاروبار کی حالت سدھارنے کے لیے زیادہ سے زیادہ روپیہ فراہم ہو سکے۔ ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ (سید ریاض علی پرواز)

ہوابازوں کی بھرتی

ریکروٹنگ افسر، ایرفورس، نئی دہلی سندرجہ تاریخوں میں مراد آباد اور علی گڑھ کا دورہ کریں گے اور صرف ٹیکنیکل پیشوں کے لیے ہوابازوں کی بھرتی کریں گے۔

شرائط۔ عمر:۔ نامزدگی کے دن امیدوار کی عمر ۱۷ اور ۲۰ سال کے درمیان ہونی چاہیے۔ **تعلیم:۔** سائنس اور ریاضی کے ساتھ ہائی اسکول یا کوئی اور مساوی امتحان پاس ہوں **صحت و قد و قامت** امیدوار کا قد کم از کم ۵ فٹ لمبا، سینہ ۳۰ انچ چوڑا (پھلانے کے بعد ۳۲ انچ) اور وزن ۱۰۵ پونڈ سے کم نہ ہونا چاہیے۔ بینائی سماعت اور تندرستی اوسط درجہ کے معیار کی ہونی چاہیے۔ **انتخاب:۔** وہی امیدوار بھرتی کے لیے چنے جائیں گے جو مقررہ امتحان اور انٹرویو میں (جو تین دن یا اس سے زیادہ مدت کا ہو سکتا ہے) کامیاب ہوں گے۔ **سندیں:۔** امیدواروں کو مندرجہ ذیل سندوں کی اصل دکھانی ہوگی۔

(ا) یونیورسٹی یا ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کی دی ہوئی تعلیمی سند جس میں امیدوار کی تاریخ پیدائش بھی درج ہو۔

(ب) ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کی دی ہوئی سند جس میں امتحان کے مضامین اور موصولہ نمبروں کی تفصیل درج ہو۔

(ج) گذشتہ چھ مہینوں کے اندر کسی گزیٹیڈ افسر یا مجسٹریٹ کا دیا ہوا کیریکٹر سرٹیفکیٹ۔

متفرق:۔ ایسے امیدوار جو امتحان میں بیٹھ چکے ہوں اور چنے نہ گئے ہوں پچھلے امتحان کے تین ماہ بعد پھر شریک امتحان ہو سکتے ہیں۔ اچھے کھلاڑیوں اور این۔ سی۔ سی کے تربیت یافتگان کو ترجیح دی جائے گی امیدواروں کو فاؤنٹین پین یا روشنائی والی پنسل اپنے ساتھ امتحان میں لکھنے کے لیے لانا ہوگی، سادہ پنسل سے لکھنے کی اجازت نہیں۔

مقام	امتحان کی تاریخ اور وقت	کیفیت
ڈسٹرکٹ سرجن کا بنگلہ ایڈاہریشن پور، مراد آباد	۱۱، ۱۲، ۱۳ جنوری ۱۹۶۵ء کو ۹ بجے صبح	جو امیدوار ۱۱ تاریخ کو ۹ بجے ابتدائی جانچ کیلیے حاضر نہ ہوں گے انکو بعد کی تاریخوں میں ہونے والے امتحانوں میں شریک کیا جائے گا
ڈسٹرکٹ سرجن ہاؤس اینڈ ... پریشس پور روڈ علی گڑھ	۱۵، ۱۶ جنوری ۱۹۶۵ء کو صبح نو بجے	جو امیدوار ۱۵ تاریخ کو ۹ بجے ابتدائی جانچ کیلیے حاضر نہیں ہوں گے ان کو بعد کی تاریخوں میں ہونے والے امتحانوں میں شریک نہ کیا جائے گا۔

ڈی۔ اے (۷۷) ۹۹۹

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا، اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا